

انداز بیاں اور
تاجل بیوس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اندازِ بیاں اور

اندازِ بیاں اور

تاجل بیوس

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انار کلی) ۔ لیک روڈ۔ لاہور

اپنے ہمسفروں

افتخار عارف ، احمد عقیل روبی

اور

سُر سنگیت کے شناساؤں

عابدہ پروین اور غلام علی

کے نام

ھماری کتابیں .....

خُوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین و اہتمام اشاعت

صفدر حسین

ضابطہ :

اشاعت	:	۱۹۹۷ء
مطبع	:	شرکت پریس لاہور
سرورق	:	فاروق
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	۱۰۰ روپے

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

(غالبؔ)

ترتیب

اردو کا من موہن شاعر۔ تاجل بیوس

برِصغیر پاک و ہند میں یہ خصوصی امتیاز سندھی کے شعرائے متعین سے لے کر عصرِ حاضر تک کے بعض شعراء کو حاصل ہے کہ انہوں نے سندھی کے علاوہ اردو میں بھی طبع آزمائی کی اور اہل اردو سے اپنی شعری صلاحیتوں کی داد لی۔ چنانچہ کلہوڑوں اور میروں کے عہد میں متعدد ایسے شعراء کے نام ملتے ہیں جنہوں نے قابلِ ذکر تعداد میں اردو میں بھی غزلیں کہی ہیں بلکہ ان میں سے بعض صاحب دیوان بھی ہو گزرے ہیں۔ سندھ کی ادبی تاریخ کے اسی تسلسل میں عہدِ حاضر کے اہم شاعر شیخ ایاز اور ان کے فوراً بعد سندھی شاعری کو دھرتی، فطرت اور انسان کے حوالے سے اعتبار دینے والے تاجل بیوس کا نام آتا ہے۔ شیخ ایاز کا اردو شاعری کا مجموعہ "بوئے گل نالۂ دل" پچاس کی دہائی میں شائع ہوا تھا اور یہ ان کا پہلا مجموعہ کلام تھا۔ ان کے سندھی کے کئی

رہے) یہ سلسلہ 72ء کے لسانی فسادات تک جاری رہا۔ اس کے بعد یہ بزم ادب کیا اجڑی یگانگت اور بھائی چارے کے سبھی آئینے چکنا چور ہو گئے ! بات کہاں سے کہاں نکل گئی میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ ان مشترکہ لسانی محفلوں کی ہی دین تھی کہ سکھر میں آفاق صدیقی نے ادبی کانفرنسیں اور مشاعرے منعقد کرنے کے علاوہ سندھی شاعری بالخصوص شاہ لطیف کے کلام کے ترجمے اور نثری تخلیقات کے تراجم میں دلچسپی لی اور میں بھی تقریباً پچاس کی دہائی سے ہی شاہ صاحب کے بعض ابیات ' سچل سائیں کی چند ایک کافیوں کے علاوہ شیخ ایاز شمشیر الحیدری' تنویر عباسی ' تاجل بیوس اور تاج بلوچ وغیرہ کی متعدد نظموں کا گاہے بگاہے منظوم ترجمہ کرتا رہا جو افکار قومی زبان اور ادبیات اور جنگ کے ادبی صفحات پر شائع ہوتی رہیں اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔

ترجمے کے بارے میں کسی نقاد کا قول ہے کہ ترجمے کے ذریعے ہی اصل تخلیق کی بنیادی خصوصیت دوسری زبان میں منتقل ہوتی ہے جب کہ بعض کی رائے میں ترجمے سے تخلیق کی اصل روح مجروح ہو جاتی ہے۔ بہرحال ان متضاد آراء کے باوجود ایک بات طے ہے کہ عام طور پر ترجمے کے ذریعے ہی کسی بھی ملک یا زبان کے ادب کو بین الاقوامی ادب میں مقام حاصل ہوتا ہے اور یہ ترجمہ ہی ہے جو مصنف کو بڑے سے بڑے عالمی اعزاز سے نوازتا ہے۔

تاجل کی سندھی نظموں کے ترجموں کے دوران میں نے محسوس کیا کہ انسان سے پیار' فطرت سے اٹوٹ محبت اور سندھ کی سرزمین سے لازوال عشق کا جذبہ اس کی فکر اور تخلیقی امنگوں میں اس قدر رچا بسا ہوا ہے کہ کسی ایک کو دوسرے سے جدا کر کے اس کی شاعری کو پرکھنا اس پر ادبی ظلم کے مترادف ہو گا وہ اسی کل کو اپنی متاع اور اپنی تخلیقی قوت کا حاصل سمجھتا ہے جبھی تو وہ اپنے کلام میں انا کے ایک خاص مقام سے انسان' فطرت اور زمین کے خالق سے بھی مکالمہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ تاجل کے فن اور شخصیت کے اسی پہلو کے پیش نظر اردو کے اہم شاعر افتخار عارف نے ایک جگہ بجا طور پر لکھا ہے "تاجل بیوس کو عوام میں بے مثال مقبولیت حاصل ہے اس کی تخلیقی صلاحیت اور طبعی ذہانت نے اسے عہد آفریں شخصیت بنا دیا ہے اس کی شاعری میں شعر

مجموعے اس کے بعد ہی شائع ہوئے اور اب تاجل "اندازِ بیاں اور" کے ساتھ ایوان اردو میں ایسے وقت میں داخل ہو رہا ہے جبکہ شیخ ایاز کے علی الرغم اس سے پہلے اس کے سندھی کے 9 مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

تاجل بیوس کی سندھی شاعری کے بارے میں ان کے ہم عصروں اور بعض سینئر شاعروں کے تاثرات سے سندھی ادب میں ان کے مقام اور مرتبے کا بہت کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ تنویر عباسی کے نزدیک وہ موسیقیت اور ندرت کے شاعر ہیں۔ سندھی کے ادیب شاعر اور نقاد عبدالرحمان نقاش نے شیخ ایاز کے بعد تاجل کو ہی اہم قرار دیا ہے۔ جبکہ سندھی کے نہایت معتبر اور ممتاز شاعر نارائن شیام نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے "شاہ لطیف" کے بعد مٹی کی خوشبو جتنی تاجل کی شاعری میں رچی بسی ہوئی ہے وہ شیخ ایاز کے یہاں کم ہے" سندھی کے ایک اور معروف شاعر ہیرے ٹھکر نے لکھا ہے کہ "تاجل بیوس دراصل شاہ لطیف کی شاعری کا تسلسل ہے تخلیقی کام کو جہاں شاہ صاحب نے چھوڑا تھا تاجل نے اسے وہیں سے شروع کیا ہے" موخرالذکر رائے یا تاثر میری دانست میں برمحل اور بھرپور ہونے کے علاوہ تاجل کے کلام کو سمجھنے کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

اس سے پہلے کہ میں بساط بھر تاجل بیوس کی سندھی شاعری کے تراجم اور زیرِ نظر اردو شاعری کے مجموعے کی قدر و قیمت اور اہمیت کو اجاگر کروں مناسب سمجھتا ہوں کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد وادیٔ مہران میں پائی جانے والی ادبی فضا کا مختصر جائزہ پیش کرتا چلوں۔ اردو میں شعر گوئی کے ساتھ ساتھ سندھی شاعری سے بھی میری دلچسپی کا آغاز 1974ء کے اواخر سے ہوا ان دنوں میں لاڑکانہ میں مقیم تھا اور شیخ ایاز اور نارائن شیام کے ہم عصر اور ہم عمر ہری دریانی دلگیر کی ہمسائیگی حاصل تھی۔ ایک سال کے بعد جامعہ عثمانیہ کے نامور فرزند محمد صمد رضوی ساز نے چند دیگر شعرا کے ساتھ مل کر بزمِ ادب قائم کی جس کے ساتھ ہی ہر ماہ دو ماہ کے بعد اردو سندھی مشاعروں اور کل پاکستان سالانہ مشاعروں کا آغاز ہوا جس میں سندھی اور اردو کے معروف اور ممتاز شعرا شرکت کیا کرتے (اسی طرح کی ادبی محفلیں اور مشاعرے دیگر شہروں میں بھی ہوتے

اس مطلعِ سرِدیوان سے بھی ملتی ہے جس میں اس نے عجز کے ساتھ قدرتِ بیان کا بھی اظہار کیا ہے۔

گو میری دسترس میں وہ صورت گری نہیں
بے ربط اس قدر بھی مری شاعری نہیں!

اسی ذیل میں چند شعر اور ملاحظہ کیجئے

جنگل کی فاختائیں رہائی تو پا گئیں
قیدی ہوئے ہیں گیت شکاری کے جال میں

ہم مانتے ہیں اس کو یہ فارس کا ہے امیر
ملاح وہ چناب کے اس پار کون ہے؟

ازل سے ابد تک میں صحرا نشینو!
تمہاری زمینوں کا اک آسماں ہوں

آوارہ تو نہیں تھے مگر قیس کی طرح
اپنے مکان کا بھی تو صحرا میں در کھلا

ہر آدمی کے سر پہ ہے دستارِ مفلسی
اس کاروانِ زیست کا سالار کون ہے؟

"انداز بیاں اور" کی متعدد غزلوں میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو نہ صرف ہم

و نغمہ کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔" ایک اور جگہ سندھی کے بزرگ شاعر کمیل داس فانی نے تاجل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "تاجل کی شاعری پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ شیخ ایاز سے بھی آگے نکل گیا ہے اس کی شاعری کو بالا التزام پڑھئے اور دیکھئے کہ شاہ عبداللطیف کے بعد افق شاعری پر کیسا توانا شاعر ابھرا ہے" تاجل کے زیر نظر اردو شعری مجموعے "انداز بیاں اور" کے نام میں وہ جھلک ملتی ہے جو غالب سے متصف ہے۔ اس نے اپنے اردو مجموعے کا یہ نام رواردی میں نہیں بلکہ بہت سوچ کر رکھا ہے کہ یہ نام اس کی طبیعت اور مزاج سے ہی نہیں کلام سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ اس سے پہلے اس کی سندھی شاعری کے اردو ترجمے کا مجموعہ "سرخ گلابوں کے موسم میں" شائع ہو چکا ہے جو سرائیکی اور اردو کے جواں فکر شاعر طارق نعیم کی کاوش کا نتیجہ ہے انہوں نے اصل سے انتہائی قریب رہ کر تاجل کے فن پاروں کا نہایت کامیاب ترجمہ کیا ہے اگر وہ اسے منظوم کرنے کی سعی کرتے تو بہت ممکن تھا کہ اصل تخلیق کی روح منتقل نہ ہو پاتی "انداز بیاں اور" سے پہلے "سرخ گلابوں کے موسم میں" کی اشاعت اردو کے قارئین اور اہل نقد و نظر کے لئے تاجل بیوس کے نظریہ شعر، انداز فکر اور اسلوب و بیان سے آگاہی کے لئے ضروری تھی۔

ہمہ جہت شاعر تاجل کے اس مجموعے سے اس کی ایک اور جہت آشکار ہوتی ہے اور وہ ہے اس کے اندر چھپے ہوئے اردو کے من موہن شاعر کا حسین پیکر۔ اس نے اپنے اس نئے کردار کو نبھاتے ہوئے جس خود سپردگی، سرمستی اور والہانہ انداز سے اپنی سوچ کو شعروں کا روپ دیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے اس کی شاعری پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے غزل کی کلاسیکی روایت کو بر قرار رکھتے ہوئے بعض اشعار میں خالص غزل کے مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے لیکن اس کے کلام کا غالب حصہ اس کی اپنی وضع کردہ تراکیب لفظی اور اس کے پیرایہ اظہار کا آئینہ دار ہے اس نے اپنے مشاہدے اور تجربے کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے اکثر جگہوں پر بلا جھجک تعقید لفظی سے بھی کام لیا ہے میرے نزدیک اس کا یہ اعتماد یہ اجتہاد اردو زبان کی مقبولیت اور دائرہ اثر میں وسعت کے لئے فال نیک ہے میرے اس تجزیئے کی گواہی

پہنچانے کی اس کی یہ پیاس باقی رہے تاکہ وہ زمین سخن کو اسی طرح سیراب کرتا رہے
"انداز بیاں اور" بلاشبہ سندھی کے ایک شاعر کی جانب سے اردو کے لئے ایک نادر اور تازہ کار شعری مجموعہ ہی نہیں بلکہ یگانگت اور محبت کے رشتے میں گندھا ہوا ایک سدا بہار دستۂ گل ہے۔

محسن بھوپالی

محسن منزل۔ ناظم آباد 4
کراچی 74600

عصر شعراء کے نمائندہ اشعار کے ساتھ رکھے جا سکتے ہیں بلکہ اردو غزل کے کسی بھی انتخاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہیں مثلاً"

راستے میں دھوپ بھی تو آئے گی
زندگانی بے ردا ہے سوچ لو

اس دن کی کڑی دھوپ میں سوئیں گے کہاں لوگ
دیوار تو ہے سایۂ دیوار نہیں ہے

ہوا کے دوش پہ ہم ابر بن کے اڑتے رہے
ہمارے دم سے جو صحرا تھے لالہ زار ہوئے

تھے سربازار مٹی کے کھلونے کی طرح
زندگی میں بارہا ہم ٹوٹتے بنتے رہے

کیوں مجھ سے تقاضا ہے مری فرد عمل کا
دنیا میں تو میں صورتِ مہمان رہا ہوں!

جو فرشتہ بھی آدمی بھی ہو
اس کے مسلک میں کچھ خرابی ہے

بیوس وہ میری پیاس ابھی تک بجھی نہیں
پانی کے درمیان بھی صحرا رہا ہوں میں!

بیوس کا یہ آخری شعر اس کی خلاقانہ فطرت کا ترجمان ہے جو ہر جینوئن (GENUINE) فنکار کی شناخت ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ اپنے فن کو نقطہ کمال تک

گھر میں سجا کر رکھے ہیں۔ انجم خلیق، اصغر عابد، محبوب ظفر، طارق نعیم، افتخار عارف اور آغا ناصر کی تقریریں بھی میں نے سنبھال کر رکھی ہیں۔ ویسے بھی میرے شعری سفر میں حمایت علی شاعر، منیر نیازی، شکیب جلالی، افتخار عارف، احمد فراز، تنویر عباسی، شیخ ایاز، محسن بھوپالی، فیض احمد فیض، مرزا غالب، رسول حمزہ، کبیر، کالیداس، بھرتری ہری، قاضی قادن، شاہ حسین، میاں محمد بخش، بابا بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید، سامی اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام میرے لئے ہر آمر کے راج اور اس کی راج دھانی میں عقاب کی آنکھیں اور جمہور کی مشعلیں ثابت ہوا ہے۔ جس میں منیر احمد، نیاز ہنگورو، قاضی جاوید، کریم بخش خالد اور ناہید شاہد کے تبصرے بھی شامل ہیں۔

اردو ادب کے مایہ ناز شاعر، محقق اور دانشور احمد عقیل روبی ایک خط میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

"گزشتہ دو راتوں سے ایسے شاعر سے ہمکلام ہوں، جس کے ایک ایک لفظ پر مجھے بڑے شاعروں کی پرچھائیاں نظر آ رہی ہیں۔ اتفاق سے اس کا نام آپ کے نام سے ملتا جلتا ہے یعنی تاجل بیوس۔

بھائی تاجل بیوس ! آپ بہت خطرناک شاعر ہیں۔ میں گزشتہ ۲۵ سال سے یونانی ادب اور عالمی ادب پر کام کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کی کتاب پڑھی تو مجھے ہومر، ورجل، ہوریس، دانتے اور کزان زاکس سرگوشیاں کرتے ہوئے نظر آئے۔ آپ اس تخلیقی مسند پر براجمان ہیں، جو ہمارے ہاں بہت کم لوگوں کو ملی ہے۔ ابیات، قطعات اور نظموں کی بیشتر سطریں مجھے انڈر لائن کرنا پڑیں۔ لفظ و معانی کے مجموعی تاثر نے مجھے آگے نہیں بڑھنے دیا فطرت زمین اور انسانوں کے حوالے سے آپ نے وہی باتیں کی ہیں، جو ورجل اکالوجی اور چرواہوں کی نظموں میں کرتا ہے۔ کہیں کہیں مجھے ایسا لگا جیسے طارق نعیم نے ورجل (Vergil) کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ آپ کی فنی عظمت کی دلیل ہے۔ صبح ضرور ہو گی، جلا وطن، معصوم بچہ، سندر تا، امن اور آزادی۔ نیز ابیات کی

استاد غالب کی زبان، ہم اور ”اندازِ بیاں اور“

”سرخ گلابوں کے موسم میں“ میرے سندھی منتخب کلام کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ادب شناس اور ادب نواز قلمکاروں کی نظر میں اصل سے انتہائی قریب اور نہایت کامیاب اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بقول محسن بھوپالی سرائیکی اور اردو کے جواں فکر شاعر طارق نعیم کی کلوشوں کا نتیجہ ہے۔ میری یہ کتاب جب منظرِ عام پر آئی، تو پڑھنے اور پیار کرنے والوں کی طرف سے خطوط کا ڈھیر لگ گیا۔ یہ خطوط مجھے اور بھی آگے لے جانے کے لئے شعر اور ادب کے صحراؤں میں ہاڑ کی چھاؤں اور پوہ کی کرنوں سے کم نہیں ہیں۔

نیاز حسین لکھویرا، آل عمران اور احمد عقیل روبی کے خطوط میں نے دل کے کتاب

ہیں" پھر سکندر اعظم نے ان حواریوں سے پوچھا:" تم لوگ چھلانگیں کیوں لگا رہے ہو؟
" ان ششوں کا جواب ذرا یوں تھا: "اے سکندر! آپ کو ملنی آخر اتنی ہی زمین ہے' جو ہماری چھلانگوں میں آتی ہے۔ تم کیوں یونان سے اتنا لمبا سفر کر کے ملک گیری کی ہوس میں ہندوستان پہنچے ہو؟"

طارق کو سنانے والا دوسرا قصہ بھی سکندرِ اعظم کے بارے میں تھا۔

صبح کے وقت سکندرِ اعظم جب مجذوب دیوجانس کلبی سے ملنے گئے' تو وہ شہر کے ایک موڑ پر پلتھی مار کر نہار منہ دھوپ کھا رہے تھے۔ سکندرِ اعظم نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ شاہی لباس پہن رکھا تھا اور ان کے تاج میں ہیرے جواہر جگمگا رہے تھے۔ سکندر کے حواریوں نے دیو جانس کلبی سے مخاطب ہو کر کہا کہ سنو' دیو جانس قلبی! آج روئے زمین کے بادشاہ سکندرِاعظم تمہارے سامنے کھڑے ہیں' جو کچھ مانگنا ہے' مانگ لو" دیو جانس کلبی خاموش رہے۔ پھر خود سکندر بولے: "میں سکندرِ اعظم ہوں اور تم سے ملنے' باتیں کرنے اور تجھے بہت کچھ دینے کے لئے آیا ہوں' بتاؤ تجھے کیا چاہئے؟"

دیو جانس کلبی بغیر سر اٹھائے بولے: "تھوڑا سا ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ' تاکہ مجھے دھوپ لگے۔"

اس مجذوب دیوجانس کلبی نے سکندر اعظم سے فقط دھوپ ہی مانگی تھی اور بس۔

یہ دو مثالیں اپنے دو مہربان دوستوں ان کے مسلک اور مقصدِ حیات کو سامنے رکھ کر میں نے دی ہیں' جو شاہ عبداللطیف بھٹائی کے عزم اور استقلال کو دہراتے نظر آتے ہیں' جنھوں نے کہا ہے: "تم اس بے سروساماں آدمی کے رزق رسائی کا بھی سورج نکلنے سے پہلے انتظام کرتے ہو' اے میرے پالنہار! جس کے ہاتھ میں نہ ہل ہے اور نہ جھولی میں دانے۔"

اسلام آباد کے ان دوستوں کا سرمایۂ حیات اچھے دوست اور ادب کے چاک پر

بے شمار لائنیں ایسی ہیں جن کے گرد زندہ ادب کا دائرہ لگایا جا سکتا ہے ...... سچی بات ہے کہ سندھی سیکھنے کو جی چاہتا ہے' تاکہ آپ کو پڑھ سکوں..............."

بس یہی کچھ میرے لئے استاد غالب کی زبان اور ان کے شعرو سخن کے لالہ زاروں تک لے جانے میں معاون' ترغیب ساز اور محرک بنے ہیں اور یوں فصلِ گل گزر جانے کے بعد "اندازِ بیاں اور" کی قلوپطرائیں راستہ بھول کر میرے ناقص اور نووارد شعور کی پر خار وادیوں میں نمودار ہوئی ہیں۔

یہاں اسلام آباد میں ہر قسم کے دوست احباب نظر آتے ہیں' جن میں سے بہروپیا لوگوں سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ ایک دن طارق نعیم میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یار! افتخار عارف ہمیں بہت یاد کرتے ہیں اور ہم ہیں کہ ان کے ہاں مہینے ماس بھی مشکل سے جاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ طارق ! اسلام آباد سرکاری کارندوں کی وہ بستی ہے' جہاں تسبیح کے دانے' دانے پر بلیو ایریا اور ایف۔ ٹین کے پلاٹوں کا ورد اور وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ نسل انسانی میں کس کا اضافہ ہوا اور پڑوس میں وہ کون تھا جو اگلے سفر پر روانہ ہوا۔ ایسے ماحول میں افتخار عارف جیسے انسان دوستوں کا بانہیں پھیلا کر گلے سے لگانا "عہدِ الست" پر عمل پیرا ہونے کے مترادف ہے۔ اسی ہی ضمن میں طارق نعیم کو میں نے صاحبِ توفیق (Haves) اور فاقہ مستوں (Have nots) کے دو قصے بھی سنائے تھے' جو اس طرح تھے :

کوتلیہ' بھارت کی جگ مشہور کلاسک ارتھ شاستر' کا مصنف تھا' جنہوں نے ۱۵۰ ق - م میں یہ کتاب لکھی تھی۔ کوتلیہ' کیرالا کے برہمن تھے۔

قصہ اس طرح ہے کہ جب سکندرِ اعظم اپنے فلسفیوں کے ہمراہ کوتلیہ سے ملنے گئے' تو سکندر کو دیکھتے ہی کوتلیہ کے کچھ حواریوں (شش) نے چھ' چھ قدم لمبے چھلانگ لگانے شروع کئے' جس پر سکندر شش و پنج میں آگئے اور اپنے فلاسفروں سے مخاطب ہو کر ان لوگوں کی چھلانگوں کا مطلب پوچھنے لگے' جن کا جواب تھا: "یہ لوگ پاگل

گو میری دسترس میں وہ صورت گری نہیں
بے ربط اس قدر بھی مری شاعری نہیں

آہن کو لفظ سے پگھلا رہا ہوں میں
کہتے ہیں پھر بھی میری یہ آہن گری نہیں

ہم سے نہ پوچھ اوج ثریا کی منزلیں
مٹی کی شاعری ہے یہ پیغمبری نہیں

شاعری کے اچھے سے اچھے پیکروں کو شکل دینا ہے، جو اردو ادب میں میرے لئے وجہِ فیض اور قابلِ تلقین ثابت ہوئے ہیں۔

آخر میں ہر اچھے تخلیق کار دوست کو یاد کرتے ہوئے صائبؔ کا یہ شعر:

غافل نہ بودہ ایم زیادہ تو یک نفس
یا گفتہ ایم حرف ترا یا شنیدہ ایم

(تجھ سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہے ہیں یا تیری بات کی ہے یا تیرے بارے میں سنا ہے)

تاجل بیوس

Flat - 6 Block No. 10

Street No. 1' Cat - III

I, 8, 1' Islamabad

جہاں محنت کشوں کی زندگی کروٹ بدلتی ہے
وہاں شب کی گپھا میں روشنی کروٹ بدلتی ہے

مغنی ! تو سراپا حسن ہے، حسنِ ازل ہے تو
ترے ہونٹوں پہ میری شاعری کروٹ بدلتی ہے

تری آسودگی میں زندگی چڑھتی ہے سولی پر
مرے افلاس میں آسودگی کروٹ بدلتی ہے

اس رہ گذر پہ زیست کا سالارِ کارواں
وہ آنکھ ڈھونڈتا ہے جو آنسو بھری نہیں

ہے کاسبوں کے شہر میں اک دیپ جل رہا
واللہ! کوہ طور کی جلوہ گری نہیں

بیوؔس ہے یہ غزل کے نگینے بنا رہا
پوشیدہ اس بدن میں کوئی جوہری نہیں

پہنچا ہے جو بھی آج مہکتے دیار میں
اپنے نشان چھوڑ گیا ریگ زار میں

اس زیست کے ثمر کو کوئی اور پاگیا
چلتے رہے تھے ہم بھی تو گردوغبار میں

کل تک یہاں خزاں میں بھی کھلتے رہے تھے پھول
کیوں آج خار و خس ملے فصلِ بہار میں

مرے ادراک، میرے علم اور دانش کی وادی میں
ترے جبروستم کی کج روی کروٹ بدلتی ہے

اجالا ہر اندھیرے کو بدلتا ہے سویرے میں
کرن کے سامنے کیوں تیرگی کروٹ بدلتی ہے

نہ فرقت ہے نہ شامِ غم نہ وہ امکان کے بندھن
تری محفل میں یوسفؔ ہر خوشی کروٹ بدلتی ہے

بے قصوری کی سزا میں کون زیرِ دام تھا
وہ رہائی پاگیا جو موردِ الزام تھا

آج بھی پیرِ مغاں کے سامنے کل کی طرح
سب کے سب لبریز تھے میرا ہی خالی جام تھا

ایک وہ اہلِ خرد تھا حلقۂ احباب میں
مانتے ہیں ہم بھی لیکن عشق میں ناکام تھا

آج ہوس کی طرح وہ مٹ چکا ہوگا ضرور
ریت پر لکھا ہوا جو کل کسی کا نام تھا

ہم دل جلوں سے دستِ مصوّر تو یہ نہ پوچھ
کیوں نقش بن گئے ہیں ترے شاہکار میں

ہوس ضرور آئیں گے اک دن وہ پوچھنے
یہ کون سو رہا ہے مسافر مزار میں

کوئی غم خوار کوئی اپنا مسیحا نہ ہوا
ہم نے چاہا تھا، کہ ہو جائے گا، ایسا نہ ہوا

اس طرح شب کے اندھیرے میں ہوا قتل مرا
پھر سرِ شہر کبھی ایسا تماشا نہ ہوا

کہتے ہیں عشق میں فرہاد نے پتھر پائے
قیس کے نام بھی صحرا ہوا دریا نہ ہوا

پھر آج پابجولاں سرِدار کون ہے
جلّاد! تو بتا کہ گنہگار کون ہے

ہم مانتے ہیں اس کو یہ فارس کا ہے امیر
ملّاح! وہ چناب کے اس پار کون ہے

ہر آدمی کے سر پہ ہے دستارِ مفلسی
اس کاروانِ زیست کا سالار کون ہے

اک عمر سے کھڑے ہیں تری رہگذار پر
تو ہی بتا کہ تیرا وفادار کون ہے

گو میرے لب پہ آج بھی شیشے کا جام ہے
ماتھے پہ میرے نقش تو مٹی کا نام ہے

اٹھنے کی میکدہ سے ہے فرصت کہاں مجھے
خیام کا بھی آج وہیں پر قیام ہے

وہ کونسی جگہ ہے جہاں پر نہیں ہے تو
مسجد میں ہے رحیم، تو مندر میں رام ہے

ہم کو مارا ہے ہمارے ہی مسیحاؤں نے
لوگ کہتے ہیں سرِعام، یہ اچھا نہ ہوا

روزِ اوّل سے مرے دوست مرے ہونے تک
میرا مسجود جوئے شیر ہے، کعبہ نہ ہوا

آؤ دریا کے پار چلیں جہاں ایک خدا کی خدائی ہے
جہاں کوئی دیارِ غیر نہیں جہاں عشق نے دھوم مچائی ہے

جہاں چہرہ، چہرہ سورج ہے اور ہونٹ گلاب کی کلیاں ہیں
کاکل میں رین بسیرا ہے جہاں آنکھیں ہیں بینائی ہے

آؤ ہم اس نگری کو چلیں، دامن پھیلا کر تو دیکھیں
جہاں باغی اور بنجاروں نے نئی دنیا ایک بسائی ہے

وہ کون ہے تھل کی ریتی پر لکھ کر اک نام مٹاتا ہے
ہم نے ہے اسے پہچان لیا وہ یوسؔ ہے، سودائی ہے

کل کی تمام محفلیں خوشیاں مسرتیں
یہ ہجر کا ملال بھی اب اس کے نام ہے

مٹی سے جو کماتا ہے روٹی بصد خلوص
فرزندِ خاک ہے اسے میرا سلام ہے

بکھرا ہے رنگ و روپ کسی مہ جبین کا
یا میرے جامِ جم میں اتر آئی شام ہے

سرکش انا پرست ہے بدنام ہے، مگر
جیون کے مہ پرستوں کا یونس غلام ہے

خوشبو کے سنگ مہکتا دیار ہوں
اس عالمِ وجود میں اک لالہ زار ہوں

مجھ پر کرم ہوا ہے تری چشمِ ناز کا
اک قطرۂ سبو سے ہوا آبشار ہوں

جب سے ملی رہائی مجھے قیدِ خاک سے
اس دن سے اپنی ذات میں مثلِ غبار ہوں

کل پنگھٹ پر جھیل کنارے کتنا اچھا منظر تھا
زلف برستے بادل تھے آنکھوں سے چھلکتا ساغر تھا

اک دوشیزہ گزر گئی جو چاند کا ٹکڑا لگتی تھی
باہوں میں جس کے گجرے تھے ماتھے پہ سنہری جھومر تھا

انسانوں کی بستی میں کیوں آج ہے انساں بدل گیا
کل تک تو اس دنیا میں انسان خدا کا مظہر تھا

کس کا تخت ہزارہ تھا وہ کونسی بیوّس بستی تھی
عشق و حسن کی برکھا تھی جہاں پیار کا ایک سمندر تھا

سرخ سی لہریں اٹھیں گی آج جوئے شیر میں
ہے مقیّد کوہ کن ہر حلقۂ زنجیر میں

موسم گل چھا گیا پر آج بھی کل کی طرح
بھر رہا ہے ہر کوئی پھر رنگِ خوں تصویر میں

جو کرے گا زندگی میں وہ ہی انساں پائے گا
یہ ہی کچھ لکھا ہوا ہے فرد کی تقدیر میں

کل بھی میں نے ہی کہا تھا آج کل اس قوم کی
قسمتیں محصور ہیں ہر خواب کی تعبیر میں

مٹھی میں میری بند حیات و ممات ہیں
اس کارزارِ دہر کا پروردگار ہوں

اب کے تری عطا سے ہے اتنا ملا مجھے
عارف کے ساتھ ساتھ ہوا افتخار ہوں

یوں ہی کہہ رہا تھا کہ اپنے وجود میں
اک جاگتا ضمیر انا کی پکار ہوں

بہتر ہے کہ اس شہر سے ہم لوٹ ہی جائیں
کوئی بھی محبت کا طلبگار نہیں ہے

اس کا ہے کوئی خواب ' نہ تعبیر ہے بیوس
جو قوم ہوئی آج بھی بیدار نہیں ہے

کیا قحط ہے مدت سے سجا دار نہیں ہے
زنداں میں سلاسل کی بھی جھنکار نہیں ہے

اس دن کی کڑی دھوپ میں سوئیں گے کہاں لوگ
دیوار تو ہے سایۂ دیوار نہیں ہے

ہے قوسِ قزح اس کے حسیں ہاتھ کی لغزش
اے دستِ مصوّر! ترا شہکار نہیں ہے

کل تک مری انا مری فرسودہ تھی روش
تازہ ہوا ملی ہے مرا در جدھر کھلا

گزری تمام رات مری اضطراب میں
دروازہ میکدہ کا نہ وقتِ سحر کھلا

سب لوگ اپنی ذاتِ مقفل میں سو گئے
بیوسؔ نے اپنی ذات کا رکھا ہے در کھلا

انگڑائی لے کے جب کسی طائر کا پر کھلا
قیدی ہوئے رہا جو مرے گھر کا در کھلا

آوارہ تو نہیں تھے مگر قیس کی طرح
اپنے مکان کا بھی تو صحرا میں در کھلا

لوگوں نے جاگ، جاگ گزاری تمام رات
اک ہم ہی محوِ خواب تھے جب یہ نگر کھلا

وہ مجھے اپنا بنائیں، یہ مگر ممکن نہیں
اپنے پہلو میں بٹھائیں، یہ مگر ممکن نہیں

آج برسیں کاش ! ہم پر ابرِ باراں کی طرح
ان کے گیسو کی گھٹائیں، یہ مگر ممکن نہیں

شام ہو، دریا بھی ہو اور شعر کہنے کے لئے
جام وہ بھر بھر پلائیں، یہ مگر ممکن نہیں

دل کا لہو نچوڑ کے جامِ شراب میں
لوٹا رہا ہوں جو بھی ملا تھا حساب میں

قطرے سے مل گئی وہ متاعِ حیات بھی
جو ڈھونڈتا رہا تھا میں سیلِ چناب میں

دل میں قلم ڈبو کے محبت کے نام کو
ہم نے رقم کیا ہے انا کی کتاب میں

آؤ چلیں ہم آج ہواؤں کے دوش پر
کیوں بند ہو گئے ہیں ہوس کے حباب میں

یہ وقت نزع ہے محرم نہ آنا
تو کر کے آنکھ کو پرنم نہ آنا

جہاں ملکِ خدا، ان کی خدائی
وہاں بن کر کبھی آدم نہ آنا

کلی ہر اک ہوئی آتش فشاں سی
سرِ بزمِ چمن شبنم نہ آنا

مطربہ ! تیری طرح رقصاں سرِ بازار ہوں
جابجا ان کی ادائیں، یہ مگر ممکن نہیں

موسمِ گل کی طرح دل کے دریچوں میں کبھی
بادِ نو بن کر وہ آئیں ، یہ مگر ممکن نہیں

اپنے وجود سے بھی وہ منزل قریب ہے
ہر دار کی طرح ہے مگر بے صلیب ہے

افلاس کی گپھاؤں میں دن رات جاگنا
میری عبادتیں ہیں یہ میرا نصیب ہے

ہم دل جلوں کی راہِ رقابت نہ پوچھئے
اب دھوپ ہے نہ چھاؤں یہ منظر عجیب ہے

علم وشعور وحسن و وفا میں شباب میں
ہم نے یہ کب کہا تھا کہ یونس غریب ہے

کبھی تم بھول کر ان وادیوں میں
مسافر کی طرح موسم نہ آنا

مبارک ہوں تجھے تیری زمینیں
مرے افلاک پر آدم نہ آنا

پتھروں پر چل کے میرے پاس آنا یاد ہے
اک حسینہ کا مجھے اپنا بنانا یاد ہے

فاختاؤں کے بسیرے رات بھر جلتے رہے
اور ان کے درمیاں اک آشیانہ' یاد ہے

بے نیازی کی روش اور حسن کی وہ بے رخی
اور مجھے میرا بھی شوقِ عاشقانہ یاد ہے

موجوں کے بیچ کوئی سہارا نہیں ملا
گرداب تک تو پہنچے کنارا نہیں ملا

ہم سے جنوں شعار بھی محفل میں ساقیا!
آنکھوں سے چل کے آتے اشارہ نہیں ملا

تم مل گئے تو مل گئیں دنیا کی راحتیں
کیا ہے جو تخت و تاج بخارا نہیں ملا

یوسؔ نے جب سے دیکھا ہے جوگی کے بھیس میں
رانجھے کو پھر وہ تخت ہزارا نہیں ملا

اے دلِ ناداں تو اب ان کو منانا بھول جا
ان کی گلیوں سے گزرتے سر جھکانا بھول جا

بھول جا وہ ہر خوشی جو کل تلک پاتے رہے
ہجر کا یہ وقت ہے اب گنگنانا بھول جا

ان کی اب ہر اک ادا میں بے نیازی ہے کہاں
تو بھی اپنا آج مسلک عاشقانہ بھول جا

آج بھی اس مہ جبیں کا ساحلوں کی ریت پر
نام میرا بارہا لکھنا مٹانا، یاد ہے

دوپہر کی چھاؤں کا اور ایک سندر شام کا
ہم کو بیوسؔ، آج بھی منظر سہانا یاد ہے

دریا ہمارے عشق کے پایاب ہو گئے
ہم بھی دیارِ حسن میں نایاب ہو گئے

دامن میں دشت کے تھے سمندر چھپے ہوئے
آتش کدہ کے بیچ تہہِ آب ہو گئے

ہم مرقدِ حیات میں آرام سے رہے
ان کا سنا جو نام تو بے تاب ہو گئے

چاندنی راتوں میں اب وہ بام پر آتے نہیں
تو بھی اپنی دل لگی کا ہر زمانہ بھول جا

اڑ گئے جب سے ہیں بیوس لوٹ کر آئے نہ وہ
تو بھی اپنا طائرِ دل آشیانہ بھول جا

درختوں کی خوشبو ، وطن کی ہوائیں
معطر ، معطر گلوں کی قبائیں

یہی کچھ تو ہم بھی رقم کر رہے تھے
ہماری دعا اور تری بددعائیں

وہ آئیں نہ آئیں یہ ان کا ہے مسلک
چلو ہم تو راہوں پہ آنکھیں بچھائیں

کتنے حسین خواب تھے اس خواب گاہ کے !
آنکھیں کھلیں تو خواب وہ سرخاب ہو گئے

ان کے دیارِ حسن میں جب شام ہو گئی
تارے تمام عالمِ مہتاب ہو گئے

یہ زندگی کی شاخ تو ازل سے بے ثمر رہی
خرد جہاں جہاں رہی وہیں پہ دربدر رہی

جہاں گئے جہاں رکے ہیں زندگی کی راہ میں
فقط ہماری ذات ہی ہماری راہبر رہی

کچھ ایسا سلسلہ رہا ہے عالمِ وجود کا
تلاشِ روزگار میں انا ہی بے خبر رہی

وہ مدتوں کے بعد جب سجا کے تن بدن چلے
وجود بھی مہک اٹھا فضا بھی معتبر رہی

اسیروں کے زنداں میں گندم اگی ہے
ہری شاخ پر دیکھ دو فاختائیں

فراغت ہے دل بھی بہل جائے گا اب
چلو ان کی زلفوں میں گجرے سجائیں

یہی آب و گل کا ہے پیغام نوروز
کہ رقصاں ہیں صحرا پہ کالی گھٹائیں

دشمن سے ہم چکائیں گے اپنا حساب خود
غیبی کسی مدد کے لئے منتظر نہیں

رکھتے کڑی نظر بھی ہیں اپنے حریف پر
بے ربط ہیں ضرور مگر بے خبر نہیں

ہم بھی ہیں چاند اور ستاروں کے ہم نشیں
لیکن ہر اک نگاہ کے زیرِ اثر نہیں

ہر گھر میں لامکاں میں بھی بستے ہیں روز و شب
یوؔس تو ہی بتا کہ کہاں ہیں کدھر نہیں

صحرا کی خشک ریت کا بے پھل شجر نہیں
ہم ہیں شبِ فراق مگر بے سحر نہیں

ہم بحرِ بے کنار کے گرداب ہی سہی
لیکن ہماری ذات میں کوئی بھنور نہیں

اس رہگذر میں طوق و سلاسل بھی آئیں گے
تو لوٹ جا کہ تجھ میں وہ عزمِ سفر نہیں

آنکھوں سے آبشار کے آنسو بہائیں گے
ہم لوگ اس زمیں کو سمندر بنائیں گے

انسانیت کا سنگ تراشے گا جب شعور
کعبے میں بیٹھ کر بھی نئے بت بنائیں گے

آتے تھے چپکے چپکے سے خوشبو کے جو سفیر
وہ پھر سے ریگ زار میں اک روز آئیں گے

منتظر ہیں آج بھی ہم جانِ جاناں کے لئے
زندگی شاید ہوئی ہے وقف زنداں کے لئے

ہم سخن کے سامنے وقفے سے تھوڑا بولنا
ہے کسوٹی بن گئی دانا و ناداں کے لئے

ماہِ کامل ہی تو تھا جو کھڑکیوں میں چھپ گیا
جاگنا ہے صبح تک اس ماہِ تاباں کے لئے

ہم تلاشِ آب و دانہ میں رہے مصروف اور
زندگی تم نے گنوائی زلفِ پیچاں کے لئے

ان کے چہرے پر کہیں جو زلف لہرانے لگی
رفتہ رفتہ پھر خزاں کی آبرو جانے لگی

غرب میں گمنام تھے ہم نسلِ آدم کی طرح
شرق میں ظاہر ہوئے جب روشنی آنے لگی

میری تنہائی کے اس بے آب بنجر کھیت پر
اک حسینہ روز مجھ پر درد برسانے لگی

ہم کو خبر نہیں تھی کہ یہ تیرگی پرست
سورج کی روشنی میں بھی مشعل جلائیں گے

چہروں پہ تم نقاب چڑھا کر پھرو، مگر
کل ہم تمہاری ذات سے پردہ اٹھائیں گے

تری ہر ادا سے جو ضوفشاں ترے بانکپن کا جمال ہے
تجھے آئنہ ساز میں کیا کہوں، ترے حسن کا یہ کمال ہے

تو مہکتا پھول گلاب کا، ہے بدل یہ تیرے شباب کا
ہے خمار جس میں شراب کا، وہ ترا ہی حسن و جمال ہے

مجھے کیا خبر کہ کدھر گئی، کہیں آہ بن کے بکھر گئی
جو ترے بغیر گزر گئی مجھے اس گھڑی کا ملال ہے

تیرگی جو تھی وہ آخر صبح میں گم ہو گئی
روشنی مقتل میں اپنے پاؤں پھیلانے لگی

جب بھی وہ سج دھج کے بیوس آئے اپنے بام پر
میری بھی سنسان وادی مجھ کو تڑپانے لگی

سر وہ لہو لہان سرِ دار کس کے تھے
اب کے فرازِ دار پہ شہکار کس کے تھے

جب کاروانِ زیست سرِ راہ لٹ گیا
میری قبا کے ساتھ وہ زنّار کس کے تھے

اے بادِ نوبہار! تو جلّاد کو بتا
بکھرے تھے کربلا میں جو آثار کس کے تھے

مری زندگی مری آرزو، مری ذات میری انا بھی تو
وہ فراق جس میں ہو جستجو، وہ فراق میرا وصال ہے

تری ہر ادا ترا بانکپن، تری زلف اور ترا پیرہن
مرے گل بدن مرے سیم تن، تجھے بھول جانا محال ہے

یہ جو عشق کا ہے معاملہ، کہوں کیا میں بیوتسِ بے نوا
جو کسی سے حل نہیں ہو سکا، یہ وہ ایسا الجھا سوال ہے

میں موردِ الزام ہوں دے مجھ کو سزا اور
بھر دے تو مرے خون میں اک رنگِ حنا اور

صحرا کی ہواؤں میں بدن راکھ ہوا ہے
کہتے ہیں ترے شہر کی ہوتی ہے ہوا اور

ہم آج سرِ دار یہ اعلان کریں گے
آمر کی سزا اور فقیروں کی سزا اور

دشت و دمن میں کل جو اگا کر گئے تھے پھول
دشمن ہیں گر وہ تیرے تو دلدار کس کے تھے

اے خلوتوں کے دشت کی محمل نشیں ! بتا
راہِ سفر میں لوگ طلبگار کس کے تھے

مفلس ہوا ہوں جب کبھی ہجرو وصال میں
نان جویں کو چنتا ہوں خواب وخیال میں

جنگل کی فاختائیں رہائی تو پاگئیں
قیدی ہوئے ہیں گیت شکاری کے جال میں

ہے حسن کی یہ دین مرے عشق کا حصول
مت پوچھ کیا چھپا کے رکھا ہے ملال میں

وہ اطلس و کمخواب میں ملبوس ہوئے ہیں
ہم عشق کے پروانوں کی ہوتی ہے قبا اور

آپس کے تضادات کا عالم ہی نہ پوچھو
ان کی ہے روش اور تو اپنی ہے انا اور

ہم درد کے ماروں کے قرینے بھی عجب ہیں
سہتے ہیں مظالم بھی تو دیتے ہیں دعا اور

اک نام جو اس دل پہ بھی تحریر کیا تھا
اس نام کے یاد آنے سے بڑھتا ہے نشہ اور

ڈر ہے کہ وہ جلّاد کہیں ڈوب نہ جائے
اٹھی ہے مری ذات سے اک موجِ انا اور

ہیّوس کی طرح گونجتی ہے روزِ ازل سے
صحرا کی صدا اور تو دریا کی صدا اور

پائی نجات ہم نے جو اپنی صفات سے
جاں چھٹ گئی ہماری بھی قید حیات سے

اک عہد ساز شخص نے افضل بتا دیا
ہر قطرۂ چناب کو آبِ حیات سے

جب درد کے اثر سے ہوئے اشکبار ہم
دریا اٹھا کے لائے ہیں نہرِ فرات سے

شاعر تھا ایک آیا تھا جوگی کے روپ میں
محصور کر گیا جو فصیلِ سوال میں

کرتے رہے تلاش اسے مفلسی میں ہم
مایوس جو پُروقار تھا مال و منال میں

ہم چشم، ہم رکاب ہیں میرے نگر کے لوگ
جیسے کہ آفتاب ہیں میرے نگر کے لوگ

ہم نے کہا تھا ایک ہی تمہید دیکھ کر
کھلتی ہوئی کتاب ہیں میرے نگر کے لوگ

دانش، شعور، علم و عمل کی زمین پر
کیوں صورتِ سراب ہیں میرے نگر کے لوگ

روزِ ازل سے روزِ عدم تک مرا وجود
کرتا رہے گا جنگ حیات و ممات سے

ہم کو صدائیں دیتے تھے ملکِ عدم کے لوگ
سو ہم نکل ہی آئے ہیں اب اپنی ذات سے

ان کی غزل میں بوئے غزل ہے رچی بسی
کلیاں چرا کے لائے تھے بیوؔس کی بات سے

زندگی کے دیپ ہیں بجھتے رہے جلتے رہے
ہم حوادث میں بھی تھے طوفان سے لڑتے رہے

آج آخر خشک پتوں کی طرح سب جھڑ گئے
کل مہکتے پھول تھے صحراؤں میں کھلتے رہے

تھے سرِ بازار مٹی کے کھلونے کی طرح
زندگی میں بارہا ہم ٹوٹتے بنتے رہے

طوفانِ آگہی میں تھے سب بحرِ بے کراں
اب بن گئے حباب ہیں میرے نگر کے لوگ

یوسؔ کے ساتھ آج بھی کہتے ہیں نکتہ داں
کھلتے ہوئے گلاب ہیں میرے نگر کے لوگ

خاک تھے اور خاک میں ہی ماہِ تاباں ہوگئے
صورتِ انساں میں ہم آوازِ یزداں ہوگئے

عشق کی معراج پر حسنِ ازل جب پالیا
اہلِ دل ؛اہلِ نظر اور اہلِ ایماں ہوگئے

قیس جب آیا تو صحرا بھی خیاباں ہوگیا
ہم تو گلشن میں بھی مثلِ دشت ؛ویراں ہوگئے

بھوک اور افلاس کی گٹھری اٹھا کر روز و شب
آب و دانہ کے لئے دشت و دمن چلتے رہے

ایک مسلک ایک مطلب ایک اپنی جستجو
ایک بیوس کی غزل ہی عمر بھر سنتے رہے

انساں ہوں اور خدا کا بھی مظہر رہا ہوں میں
یہ مانتا ہوں عشق میں کافر رہا ہوں میں

روزِ ازل سے جس کے چراغوں میں ہے لہو
اک یاس اور امید کا وہ گھر رہا ہوں میں

میرا یہ رزق میرے ہی بازو کا ہے ثمر
یہ کون کہہ رہا ہے گداگر رہا ہوں میں

ہے یہ اپنے عزم اور جہدِ مسلسل کا صلہ
صورتِ خورشید دنیا پر نمایاں ہوگئے

یوں تو ہم اہلِ خرد کے پاس رہتے تھے اسیر
حسن کے دربار پہنچے تو غزلخواں ہوگئے

ہم اندھیروں میں بھی رہتے آئے ہیں روشن ضمیر
اک انا کی بھول سے سب طاقِ نسیاں ہوگئے

جب دوستی کے سارے ہی تیور بدل گئے
میری امید و یاس کو مٹی میں مل گئے

کل جو گری تھی برق مرے گھر کے سامنے
جتنے بھی آشیانے تھے پلکوں میں جل گئے

پُرنور جسم و جاں لب و رخسار چھوڑ کر
مٹی کے اک کھلونے سے شاعر بہل گئے

اس مہ جبیں کی شوخ اداؤں کے ساتھ ساتھ
یہ کس کی کج روی کا تمنّاگر رہا ہوں میں

خوشبو ہوا و آب اور نانِ جویں کے ساتھ
حسن وجمال کا بھی تو خوگر رہا ہوں میں

اک بوسۂ حسیں کی تمنا میں عمر بھر
بیوسؔ ! کسی کی راہ کا پتھر رہا ہوں میں

سیّارۂ زمیں پہ یہ کیسا عذاب ہے
یہ ریت آب دشت وچمن سب سراب ہے

گل چیں تجھے خبر ہے کہ ہر اک خزاں کے بعد
شاعر کی چشمِ تر میں مہکتا گلاب ہے

خوشبو کو بانٹ کر وہ برستی چلی گئی
لگتا ہے اس کی زلف میں تھل کا سحاب ہے

میرے وطن کے لوگ انا کی تلاش میں
واپس نہ لوٹ پائے جو صحرا کو کل گئے

صحرا کی وسعتوں میں ہے کیسی یہ تشنگی
گلشن کو آج چھوڑ کے بادل بھی ٹل گئے

مت کہو مجھ پہ ہے دوا کا اثر
ہے اسی زلف کی ہوا کا اثر

کوچۂ دل سے دار تک پہنچے
یہ بھی ہوتا ہے اک خطا کا اثر

میں ہی تسخیر کارِ دنیا ہوں
میری مٹی میں ہے خدا کا اثر

ہے آسماں قید مری چشمِ نم میں آج
ہر اک قدم کے نیچے مرے آفتاب ہے

سمجھوتہ کر رہا ہے مرا عشق حسن سے
اب میری زندگی میں بپا انقلاب ہے

غزل در غزل گنگنانے لگے ہیں
کنول آگہی کے کھلانے لگے ہیں

عجب ہے کہ ہم ان کے آنے سے پہلے
قدم در قدم سر جھکانے لگے ہیں

گلابوں میں ہم گوندھ کر گھر کی مٹی
عجب سے کھلونے بنانے لگے ہیں

اپنی قسمت کو گر بنانا ہے
بھول جاؤ کسی دعا کا اثر

آج صحرا کے ہم نشینوں سے
قیس مانگے ہے ہر صدا کا اثر

جس سے بیوس کیا تھا عہدِ وفا
مجھ سے مت پوچھ اس ادا کا اثر

غم، الم اندوہ ہی مزدور کو حاصل رہا
ہاتھ میں میرے قلم، خنجر کفِ قاتل رہا

اس پرندے کی ہوئی ہے آسمانوں تک اڑان
وہ پرندہ جو ہمارے دیس میں گھائل رہا

کون تھا سالارِ اعظم وہ تمہارا جس لئے
شرق میں تم اور تمہارا غرب میں ساحل رہا

سب گئے منزل پہ اپنی کارواں در کارواں
اک فقط بیوؔس ہی اپنے فرض سے غافل رہا

کڑی دھوپ میں ریگ زاروں کے اندر
ہم آج اپنی آنکھیں بچھانے لگے ہیں

شکاری کے ہر جال سے آج ہم خود
پرندوں کو بیوس چھڑانے لگے ہیں

میری ہر ایک شام ہے جلوہ گری کے نام
تم نے کیا حیات کو نوحہ گری کے نام

مٹی تھا کل جو آج بھی مٹی ہی پائے گا
آؤ کریں وجود کو کوزہ گری کے نام

کوہِ گراں طلب کریں شیریں کے سامنے
پتھر ہوئے ہیں آج بھی شیشہ گری کے نام

یہ کونسا مقامِ عنایت ہے دوستو!
ہر مسندِ جمال ہے پیغمبری کے نام

جب چہرۂ حیات کے تیور بدل گئے
اپنی انا کی آگ میں ہم خود ہی جل گئے

ان کے جمال و حسن کی جلوہ گری کو ہم
لائے اٹھا کے طور سے پھر بھی سنبھل گئے

دشت و دمن میں پہنچے مگر قیس کی طرح
واپس نہ آسکے وہ مسافر جو کل گئے

اب سوچتے ہیں عرشِ معلیٰ پہ آکے ہم
مٹی کی قید وبند سے کیونکر نکل گئے

فضا میں گونج نغموں کی
مغنی نے اڑائی ہے

زمیں سے آسمانوں تک
ہماری ہی خدائی ہے

کچھ ایسے بت نظر آئے
کہ جن سے آشنائی ہے

عدم سے فیض و یوسف تک
یہ مٹی پارسائی ہے

نسیمِ صبح آئی ہے
پیامِ خیر لائی ہے

کہیں اپنے وطن کا ہوں
قرینہ کربلائی ہے

قفس کو گھر کہا ہم نے
تو کہتے ہیں رہائی ہے

زندگی شعلہ نوا ہے، سوچ لو
ایک آوازِ انا ہے، سوچ لو

سامنے اک کربلا ہے، سوچ لو
یہ بھی ان کی ہی عطا ہے، سوچ لو

راستے میں دھوپ بھی تو آئے گی
زندگانی بے ردا ہے، سوچ لو

ان کی زلفوں کی مہک پھر سے صبا لائی ہے
یہ بھی تجدیدِ وفا اور مسیحائی ہے

وصل و قربت کے سجائے ہوئے لمحات کے ساتھ
دلِ ناداں کی دکھوں سے بھی شناسائی ہے

ان کی راہوں میں یہ آنکھیں بھی بچھا دیتا ہوں
پھر بھی کہتے ہیں کہ بے مہر ہے ہرجائی ہے

اب تو اٹھو اے مرے شہر کے لوگو اٹھو
روشنی شب کی گپھاؤں میں اتر آئی ہے

کس نے تجھ کو پھر پرویا ہار میں کل کی طرح
آج بھی پہنچیں گے ہم بازار میں کل کی طرح

عاشقوں کے پیچھے پیچھے سسکیاں بھرتے ہوئے
آگئے ہیں حسن کی سرکار میں کل کی طرح

اے مصوّر ! پھر سے ہم بھی حسن کی آواز پر
نقش بنتے آئے ہیں شہکار میں ' کل کی طرح

اے کراچی ! روشنی کے شہر تیری زندگی
ڈوبتی ہے آج بھی منجدھار میں کل کی طرح

غرب میں اڑنے لگی ہیں تتلیاں
شرق سے طوفاں اٹھا ہے، سوچ لو

یہ جہاں فاقہ کشوں کے واسطے
ابتدا سے انتہا ہے، سوچ لو

گو پرندے ہوگئے آزاد سب
بند پنجرے میں صدا ہے، سوچ لو

"میں قصوری شہر بھی میرا قصور"
پر مرا نغمہ دعا ہے، سوچ لو

تو نے ہی سرِ دار کیا ہے ہمیں زندہ
اے موت! تجھے ہم بھی تو مشہور کریں گے

ہم رند ہیں ہم کو ہے ضرورت مگر اب کے
زاہد کو بھی اس جام سے مخمور کریں گے

اب عالم انسان کے دکھ دور کریں گے
ہم ظلم کے پربت کو بھی محصور کریں گے

جب حسن کی مسند کے ہوئے صاحبِ مسند
اے قیس! تری عرضی بھی منظور کریں گے

جو آنکھ مساوات کا کرتی ہے تعاقب
اس آنکھ کو ہر حال میں بے نور کریں گے

نہ فرہاد و شیریں نہ لیلا نہ مجنوں
کہاں ہے وہ صحرا وفاؤں کی دنیا

جہاں پر ہے جلّاد سولی کے اوپر
وہ ہوتی ہے بیوٓس گپھاؤں کی دنیا

اگر چھوڑ دی ہے خداؤں کی دنیا
چلے آؤ دیکھیں شعاعوں کی دنیا

جہاں دھڑ کے اوپر نہ گردن ہو سمجھو
وہی ہے ہماری اناؤں کی دنیا

یہاں تیرگی میں گزارے زمانے
چلو اب تو ڈھونڈیں شعاعوں کی دنیا

سورج نکل نہ پایا تو منزل کو پا گئے
وہ لوگ جن کے پاس نمک اور نان تھا

پتھر کچھ اس طرح سے ہی برسا رہے تھے لوگ
گر کیوں نہ جاتا اپنا بھی کچا مکان تھا

ہر شخص میری ذات پہ کرتا گمان تھا
اس طرح اس کے شہر ہوا بے زبان تھا

اے خالقِ حیات بتا اس کا کیا ہوا
زخمی ہوا پرند جو وقتِ اڑان تھا

اپنی زمیں سے جب مرے پاؤں اکھڑ گئے
دو گز کے فاصلے پہ رہا آسمان تھا

ہم کو نہ آئی راس یہ کیسی ہوا لگی
آئی بہار پھر بھی زمیں کربلا لگی

میرا کٹا نہ ہاتھ نہ مجھ سے خطا ہوئی
پھر بھی لہو لہان ہے میری انا لگی

کچھ لوگ اب بھی لگتے ہیں بہروپئے مجھے
اک شاعروں کی دنیا مگر بے ریا لگی

بے درد کو بتاؤ کہ ہر دورِ درد میں
ہے درد کو ہی درد کی بیوٹس دوا لگی

جب رازِ آ گہی مرا ان پر عیاں ہوا
میرا وجود مجھ پہ ہی بارِ گراں ہوا

سج دھج کے جب وہ آئی مری وصل گاہ میں
اس مہ جبیں کا دل میں مرے آستاں ہوا

جس دن سے موت چھین گیا ماما کا پھل
کوزہ گروں کے چاک سے چھوٹا جہاں ہوا

کہتے ہیں جب وطن پہ ہوا اجنبی کا راج
ہر شخص بے زمین ہوا بے زباں ہوا

دیکھے ہیں شب و روز یہ آنکھوں نے کے تماشے
خوابوں کے نگر کو کبھی سیراب نہ دیکھا

ہر فرد کی کوشش تھی ملے عظمتِ انساں
ہیوس کو فقط ہم نے ہے بے تاب نہ' دیکھا

صحراؤں میں پھرتے رہے سیلاب نہ دیکھا
کیا دیکھتے تعبیر کبھی خواب نہ دیکھا

ہر دشت میں رہرو کے لئے کتنی ہیں راہیں
ساگر کو مگر ہم نے بھی پایاب نہ دیکھا

ہم نے بھی کبھی تیری کتابوں میں اے راقم!
انسان کے بارے میں کوئی باب نہ دیکھا

اس تشنگی میں، کرب میں، ساون کی دھوپ میں
اک قطرۂ شراب بھی ساقی! قبول ہے

مایوس ہے بے بسی سے ہی پاتا مسرتیں
اس کے نصیب میں ہی ندامت کی دھول ہے

وہ کون ہے جو باغِ عنایت کا پھول ہے
گو تم ہے کل کا آج صدائے رسول ہے

نان و نمک یہ محفلیں، خوشبو اور آبِ جو
میری متاعِ زیست ہے میرا حصول ہے

اس پوری کائنات میں ماتھے سے روح تک
مجھ پر ہی حسنِ زیست کا ہوتا نزول ہے

محصور اپنی ذات میں ہم سوچتے رہے
وہ مشعلِ حیات جلا کر چلے گئے

ہم نے بھی اپنے دل کے قرینے بدل دئے
جب پردہ حجاب اٹھا کر چلے گئے

آئے تھے درسِ عشق پڑھا کر چلے گئے
اک جام آگہی کا پلا کر چلے گئے

ابرِ بہار کی طرح آئے اور آ کے کل
صحرا کو لالہ زار بنا کر چلے گئے

خوشبو، حسیں اداؤں، محبت کے رنگ سے
ویرانۂ حیات بسا کر چلے گئے

کوہ کن ہیں وقت کے ہم آج بھی اس دور میں
ریت پر لکھا تمہارا نام ہے، کل کی طرح

آج پھر اس رہگذر پر اے امیرِ کارواں
یہ زمیں، سورج تجھے انعام ہے، کل کی طرح

سچ کہا جس نے بھی زیرِ دام ہے، کل کی طرح
آج بھی وہ موردِ الزام ہے، کل کی طرح

شاعری پت جھڑ سوا کچھ بھی نہیں میری، مگر
جس میں تیرا نام ہے گلفام ہے، کل کی طرح

آؤ پھر سے جانِ من جمہور کی باتیں کریں
آج بھی آمر خیالِ خام ہے، کل کی طرح

ویرانۂ حیات گئے جو بسا کے لوگ
کتنے وہ دلنواز تھے مہر و وفا کے لوگ

کب تک رہیں گے چاک گریباں کئے ہوئے
اک مسلکِ حیات کے اک ہی خدا کے لوگ

بت خانۂ حیات میں آئے نہ لوٹ کر
ٹوٹے ہوئے ضمیر گئے جو بنا کے لوگ

بیوؔس تھا محوِ خواب شب و روز کی طرح
آئے جب ان کے شہر میں ان کی رضا کے لوگ

جو بھنور کے پیچ وخم تھے بلبلے آئے نظر
توپ کی نالی میں آخر گھونسلے آئے نظر

پیرہن کے ساتھ میرے دست و پا رنگیں ہوئے
دار تک جب پا بجولاں قافلے آئے نظر

میرے گیتوں میں فقط اک پیاس ہی تھی ہم نشیں
آب اور ہونٹوں میں تھے جب فاصلے آئے نظر

آج وہ بیوَس تری پُر خار راہیں بن گئیں
کل تلک جو پیار کے تھے سلسلے آئے نظر

جب تک ترا آدم یہ شکم سیر نہ ہو گا
واللہ! تری ذات کو سجدہ نہ کریں گے

ہر دانۂ گندم کو ہے سورج کی ضرورت
اب صحرا نشینوں پہ بھی سایہ نہ کریں گے

سوچا تھا کہ ہارے بھی تو غوغا نہ کریں گے
ایسا کبھی ہم لوگ تماشا نہ کریں گے

کرتی ہیں خفا روز یہ صحرا کی ہوائیں
اب ایک بھی اس گھر میں دریچہ نہ کریں گے

ہم نان و نمک کے لئے آئے ہیں عدم سے
نروان کے بدلے میں تپسیا نہ کریں گے

کیوں میرے اس وجود پہ بجلی گرا گئے
جھونکے سے ٹوٹ جاتا یہ نڈالی حباب تھا

بیوس بنا تھا کاسۂ ہستی کو توڑ کر
یہ خواب تھا کہ خواب میں اک اور خواب تھا

میرے لئے سراپا وہ مثلِ گلاب تھا
خوشبو کا تھا سفر یا کوئی انقلاب تھا

طوفاں امنڈ پڑا تھا حوادث کی بھیڑ تھی
ہم کیوں نہ ڈوب جاتے سفینہ حباب تھا

میں کوچۂ خیال میں آوارہ کل بھی تھا
زخمی تھے ہاتھ اور یہ ٹوٹا رباب تھا

ہو رہا ہے پھر صحیفوں کا نزول
کھو گیا ہوں بادۂ خیام میں

حسن تھا اک دور کا رشتہ مگر
ہم مقیّد کیوں ہوئے اک نام میں

شاعری اک تحفۂ وجدان ہے
کیوں یقیں کرتے پھریں الہام میں

آج پھر ہے سرخیِ غم شام میں
کون آیا ہے اتر کر جام میں

یہ کیا ہے فیصلہ تاریخ نے
زندگی زندہ رہے گی دام میں

کھو گئی ہیں حسن کی رعنائیاں
رہ گیا ہے عشق اپنے دام میں

اس قوم کی نجات ہوں اے مادرِ وطن !
پرچم ہوں ہر محاذ پہ لہرا رہا ہوں میں

بیوس وہ میری پیاس ابھی تک بجھی نہیں
پانی کے درمیان بھی صحرا رہا ہوں میں

ہر بحرِ بے کراں سے بھی گہرا رہا ہوں میں
پھر کیوں زمیں کی پیاس سے گھبرا رہا ہوں میں

جس سے ملی نجات گداگر کو بھوک سے
اس درسِ کائنات کو دہرا رہا ہوں میں

گر آسماں کے اپنے ستارے ہیں چاند ہے
اس مہ جبیں زمیں کا بھی پہرہ رہا ہوں میں

بڑے ہی شوق سے ہم رونقِ بہار ہوئے
قرار دے کے زمانے کو بے قرار ہوئے

خود اپنے دل کو جلایا تو روشنی پائی
جو کور چشم تھے آمر کے کارداز ہوئے

ہوئے تھے طاقتِ فطرت کو ہم بھی سر بسجود
زمینِ سخت پہ جس روز آبشار ہوئے

طوفاں امنڈ پڑا ہے رگِ آبشار میں
اگنے لگے ہیں پھول دلِ ریگزار میں

کیوں سو گئے ہیں آج یہاں کے تمام لوگ
اک گونج موجزن ہے کوی کی پکار میں

تم مسندِ جمال پہ جلوہ نما رہو
ہم ہی الجھ گئے ہیں غمِ روز گار میں

کیوں ڈھونڈتے ہو ماضی کے کھنڈرات میں اسے
ہوس کی کائنات ہے کنجِ مزار میں

اک بت کی عبادت میں ہی انجان رہا ہوں
کہتے ہیں کہ دو دن کا مسلمان رہا ہوں

تم روز جلاتے تھے پرندوں کے بسیرے
میں قیس کے صحرا کا خیابان رہا ہوں

کیوں مجھ سے تقاضا ہے مری فردِ عمل کا
دنیا میں تو میں صورتِ مہمان رہا ہوں

ہوا کے دوش پہ ہم ابر بن کے اڑتے رہے
ہمارے دم سے جو صحرا تھے لالہ زار ہوئے

لہو کا رنگ ہے ، خوشبو ہے ، لالہ و گل ہیں
جو نقش ہیں ترے سارے ہی شاہکار ہوئے

اہلِ دل گر دل میں کوئی آشنا رکھتے نہیں
ہم بھی کوئی راز سینے میں چھپا رکھتے نہیں

اے مرے خورشید ! تیری روشنی کے سامنے
دیپ اپنی ذات کا ہم بھی جلا رکھتے نہیں

دل پہ سہہ لیتے ہیں اپنوں اور بیگانوں کے وار
ہم کسی سے کوئی شکوہ اور گلہ رکھتے نہیں

دل کے سنگھاسن پہ بیوسؔ تو ہی تو ہے جلوہ گر
عشق کے کعبہ میں ہم کوئی خدا رکھتے نہیں

ہے مشرق و مغرب کا بھرم میرے ہی دم سے
اور ارضِ وطن کا بھی نگہبان رہا ہوں

آئے ہو عدم ملک سے امکان میں بیوسؔ
تم صورتِ یزداں ہو میں پہچان رہا ہوں

یہ بھی کوئی شام ہے
خالی سب کا جام ہے

سو گئی ہیں نفرتیں
یہ بھی فیضِ عام ہے

پھول آتشیں ہوئے
پتہ ' پتہ دام ہے

یہ حسن دلکشی یہ نظارے کہاں تلک
دنیا میں چار دن کے سہارے کہاں تلک

قسمت کے پیچ و تاب میں ، صحرا کی دھول میں
محمل نشیں کو قیس پکارے کہاں تلک

اس شہرِ آگہی میں کریں گے حسین لوگ
چلمن میں قید چاند ستارے کہاں تلک

ہم دل جلوں کو چاند ، ستاروں کی دلہنیں
کرتی رہیں گی روز اشارے کہاں تلک

زندگی اک بے کسی کا باب ہے
پھر بھی خوشبو اور جوئے آب ہے

میرا چہرہ اور تیرے سامنے
اک سمندر ہے مگر بے آب ہے

تیری ہستی زیست کی دولت سہی
میری ہستی دو گھڑی کا خواب ہے

اے مسافر! آج بھی تیرا وجود
آمریت کے لئے سیلاب ہے

میرے لاشعور میں
جاگتا غلام ہے

اب بھی اس کو بھولنا
اک خیالِ خام ہے

آوٗ چارہ گر بنیں
وقت کا پیام ہے

تیرا چہرہ چودہویں کا چاند اور
زلف تیری ہو بہو آکاس ہے

آرزو جینے کی بیوس کیوں کریں
زندگی افلاس ہی افلاس ہے

تو مرے پہلو میں میرے پاس ہے
پھر بھی جانے کیوں مجھے وسواس ہے

یہ سمندر میں اگا سکتی ہے دشت
زندگی میری ازل کی پیاس ہے

تیری الفت وصل کا تحفہ سہی
تیری نفرت بھی مجھے اب راس ہے

زندانوں سے زنجیروں سے
جسم و لب آزاد ہوئے ہیں

جکڑے ہوئے ہیں جبر کے ہاتھوں
بیوس کب آزاد ہوئے ہیں

اب یہ لب آزاد ہوئے ہیں
روز و شب آزاد ہوئے ہیں

دل کی دنیا رہ گئی پیچھے
چین و عرب آزاد ہوئے ہیں

پورب والے پچھم والے
سب کے سب آزاد ہوئے ہیں

کٹی شاخ جس کی، گری برق جس پر
جو جلتا رہا کل میں وہ آشیاں ہوں

گلابوں کی مانند سب کے لئے ہوں
مگر اپنی ہستی پہ بارِ گراں ہوں

میں شعر و سخن کا درِ امتحاں ہوں
یہ کس نے کہا ہے کہ اک بے زباں ہوں

ازل سے ابد تک میں صحرا نشینو !
تمہاری زمینوں کا اک آسماں ہوں

سمندر ہوں پانی کا لگتا ہوں صحرا
میں آتش فشاں میں بھی اک گلستاں ہوں

تو کنارے پہ کھڑا ہو کے روانی کو نہ دیکھ
میں وہ قطرہ ہوں کہ لہروں میں نظر آتا ہوں

میں تو اک بوجھ ہوں اک دور کی محرومی کا
لوگ کہتے ہیں کہ بیوسؔ' نہیں ان داتا ہے

یہ مرا دیس ہے، اس دیس کے گُن گاتا ہوں
میں تو پت جھڑ میں بھی واللہ ! بہل جاتا ہوں

مجھ کو معلوم نہیں آگ ہوں یا ابرِ کرم
ہے مرا کام برسنا سو برس جاتا ہوں

میرے کانوں میں ہر اک پل مری دھرتی نے کہا
میرے بیٹے ! تو مجھے دیکھ تری ماتا ہوں

میرے حسیں جہاں کا کوئی پاسباں نہیں
منزل ہے، کارواں ہے مگر سارباں نہیں

یہ منزلِ حیات تو صحرا کی دھوپ ہے
حدِ نگاہ تک بھی کوئی سائباں نہیں

یہ ظلم سرفراز ہے تیرے ہی شہر میں
اہلِ قلم جو لوگ ہیں اہلِ زباں نہیں

مسلک بھی دلنواز ہے محفل بھی رس بھری
ہم دلبروں کا کوئی بھی حرفِ گماں نہیں

جب نقشِ جاوداں کوئی دل میں اتر گیا
اپنا وجود خواب کی صورت بکھر گیا

کل شام رہگذر پہ حسینوں کی بھیڑ میں
وہ کون تھا جو آنکھ بچا کر گزر گیا

چلتا تھا میرے ساتھ جو دکھ سکھ میں رات دن
میرا وہ سایہ روٹھ کے مجھ سے کدھر گیا

پھر رونقِ حیات میں آیا نہ لوٹ کر
وہ نقشِ رہ گزار جو دل سے اتر گیا

زندگی جلّاد کی تلوار ہے
پھر بھی کہتے ہیں بہت پھلدار ہے

اپنی دنیا اور اپنا دیس ہے
تن بدن میں پھول سی مہکار ہے

زندگی بے آب صحرا ہی سہی
یہ کہیں پر موج ہے، منجدھار ہے

دنیا نے میری راہ میں کانٹے بچھا دیے
اس پر ستم کہ یار نے پہرے بٹھا دیے

آنکھوں کی مشعلیں ہی جلائیں گے رات بھر
کیا ہے جو آسماں نے ستارے بجھا دیے

یوں ہی نہیں بڑھی ہے ستاروں کی روشنی
محمل نشیں نے آج ہیں پردے اٹھا دیے

کچھ لوگ پھر بھی اپنی ہی قسمت کے ہیں غلام
ہم نے تو سب نصیب کے لکھے مٹا دیے

کیوں نہ ہم سب آج یہ مل کر کہیں
یہ زمیں محبوب کا رخسار ہے

یہ جہاں تو چار دن کا کھیل ہے
زندگی تو موت کے اس پار ہے



عہد حاضر کے اہم شاعر شیخ ایاز اور ان کے فوراً" بعد سندھی شاعری کو دھرتی فطرت اور انسان کے حوالے سے اعتبار دینے والے تاجل بیوس کا نام آتا ہے .... سندھی کے نہایت معتبر اور ممتاز شاعر نارائن شیام نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ شاہ لطیف' کے بعد مٹی کی خوشبو جتنی تاجل کی شاعری میں رچی بسی ہوئی ہے وہ شیخ ایاز کے یہاں کم ہے۔ ہیرے ٹھکر نے لکھا ہے کہ تاجل در اصل شاہ لطیف کی شاعری کا تسلسل ہے۔ تخلیقی کام کو جہاں شاہ صاحب نے چھوڑا تھا' تاجل نے اسے وہیں سے شروع کیا ہے .... تاجل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سندھی کے بزرگ شاعر کھیئل داس فانی نے لکھا ہے کہ تاجل کی شاعری پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ شیخ ایاز سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ اس کی شاعری کو بالا التزام پڑھیے اور دیکھیے کہ شاہ لطیف کے بعد افق شاعری پر کیا توانا شاعری ابھرا ہے !

تاجل کے زیر نظر اردو شعری مجموعے "انداز بیاں اور" کے نام میں وہ جھلک ملتی ہے جو غالب سے متصف ہے۔ اس نے اپنے اردو مجموعے کا یہ نام روا روی میں نہیں بلکہ بہت سوچ کر رکھا ہے کہ یہ نام اس کی طبیعت اور مزاج سے ہی نہیں کلام سے بھی مطابقت رکھتا ہے اس سے پہلے اس کی سندھی شاعری کے اردو ترجمے کا مجموعہ "سرخ گلابوں کے موسم میں" شائع ہو چکا ہے جو سرائیکی اور اردو کے جواں فکر شاعر طارق نعیم کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اصل سے انتہائی قریب رہ کر تاجل کے فن پاروں کا کامیاب ترجمہ کیا ہے۔.......... ہمہ جہت شاعر تاجل کے اس مجموعے سے اس کی ایک اور جہت آشکار ہوتی ہے اور وہ ہے اس کے اندر چھپے ہوئے اردو کے من موہن شاعر کا حسین پیکر .... "انداز بیاں اور" کی متعدد غزلوں میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو نہ صرف ہم عصر شعراء کے نمائندہ اشعار کے ساتھ رکھے جا سکتے ہیں بلکہ اردو غزل کے کسی بھی انتخاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہیں۔

(محسن بھوپالی)